

سلسلۂ ایمان افروز تاریخی واقعات: ۲

مستند اسلامی تاریخی واقعات کی ادبی اور ایمان افروز پیش کش

# اگر میں نے ان کی راہ چھوڑ دی...


خلیفہ حضور تاج الشریعہ حضرت

مفتی محمد احسان خان قادری

دار العلوم فیضان تاج الشریعہ، بریلی شریف



AL MAKTAB AL-NOOR

سلسلۂ ایمان افروز تاریخی واقعات: ۲

مستند اسلامی تاریخی واقعات کی ادبی اور ایمان افروز پیش کش

# اگر میں نے ان کی راہ چھوڑ دی...


خلیفہ حضور تاج الشریعہ حضرت

مفتی محمد راحت خان قادری

دار العلوم فیضان تاج الشریعہ، بریلی شریف



AL MAKTAB AL-NOOR

المکتب النور بریلی شریف

جو راہِ حق
چھوڑ دیتا ہے،
وہ منزل بھی کھو دیتا ہے۔

# سلسلۂ ایمان افروز تاریخی واقعات: ۲

سلسلۂ اشاعت: ۲۴

نام کتاب.......... . اگر میں نے ان کی راہ چھوڑ دی...

تالیف........... مفتی محمد راحت خان قادری

پروف ریڈنگ......مفتی محمد عظیم الشان نوری مرکزی، مفتی رئیس احمد منظری

صفحات........... 40

اشاعت........... ۱۴۴۸ھ/۲۰۲۶ء

ناشر............. المکتب النور



ALMAKTABUN-NOOR

Shikarpur Chaudhry, Izzatnagar
Bareilly Shareef, (U.P.) India,
Pin:243122
Mob:+91-9412684116
www.faizanetajushshariya.com

# فہرست

# شرفِ انتساب

یہ کتاب

ان تمام گم نام اہلِ ایمان واصحابِ تقوی کے نام جو
ہر حال میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی اور صحابہ
کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نقش قدم پر چلنے کو ہی کام یابی
تصور کر کے اسی راہ پر چلتے ہیں۔

محمد راحت خاں قادری

# سلسلۂ ایمان افروز تاریخی واقعات

## مستند اسلامی تاریخی واقعات کی ادبی اور ایمان افروز پیش کش

اسلامی تاریخ ایسے بے شمار واقعات سے معمور ہے جو ایمان، تقویٰ، دیانت، عدل، ایثار، صبر اور اتباعِ سنت کے روشن نمونے پیش کرتے ہیں۔ ان میں سے بہت سے واقعات اپنی معنوی عظمت کے باوجود عام قارئین کی نگاہوں سے اوجھل رہ جاتے ہیں، جبکہ افسانوی ادب اور خیالی داستانیں زیادہ توجہ حاصل کر لیتی ہیں۔

"**سلسلۂ ایمان افروز تاریخی واقعات**" کا مقصد اسلامی تاریخ کے مستند اور معروف واقعات کو ادبی، دل نشین اور مؤثر انداز میں پیش کرنا ہے، تاکہ قاری مطالعے کی دلچسپی کے ساتھ ساتھ ایمان و اخلاق کی تازگی اور کردار سازی کا سامان بھی حاصل کر سکے۔

معتبر تاریخی مصادر پر مبنی اس سلسلے کی پہلی پیش کش "**خدا تو دیکھ رہا ہے**" شائع ہوئی اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے مختصر ہی عرصے میں عوام و خواص میں غیر معمولی مقبولیت اور پذیرائی حاصل کی، جس نے اس سلسلے کو مزید آگے بڑھانے کا عزم مضبوط کیا۔

اسی سلسلے کی دوسری کڑی "**اگر میں نے ان کی راہ چھوڑ دی...**" اپنی خوبیوں کے ساتھ اب قارئینِ کرام کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔

اس سلسلہ کی تیسری اور اگلی کڑی ہوگی "**یہ بوجھ مجھے ہی اٹھانا ہوگا**"۔

ان شاء اللہ تعالیٰ اس سلسلے کی ہر ایک پیش کش معتبر تاریخی مصادر پر مبنی ہوگی، البتہ واقعات کو اسی طرح عصرِ حاضر کے قاری کے ذوق کے مطابق ادبی پیرایۂ بیان میں تخیلی طرز پر پیش کیا جائے گا، تا کہ تاریخ کا سبق دل و دماغ دونوں تک پہنچ سکے۔

ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو خلوص نیت اور دیانت کے ساتھ دوام عطا فرمائے، دینِ اسلام کی خدمت، تاریخِ اسلام سے وابستگی، اور سیرتِ صالحین کے فروغ کا ذریعہ بنائے۔

محمد عظیم الشان نوری مرکزی

مدرس دار العلوم فیضان تاج الشریعہ، منیجر المکتب النور، بریلی شریف

# مقدمہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

**اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ، وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الۡمُرۡسَلِیۡنَ، سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ، وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحٰبِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ، اَمَّا بَعۡدُ:**

اسلامی تاریخ محض گزرے ہوئے زمانوں کا بیان نہیں، بلکہ ایمان، تقویٰ، زہد، ایثار، عدل، قناعت اور کردار سازی کی ایک روشن درس گاہ ہے۔ اس کے ہر دور میں ایسے بے شمار واقعات محفوظ ہیں جنہوں نے اہلِ ایمان کے دلوں کو زندہ کیا، نفوس کی تربیت کی اور انسان کو اس کے اصل مقصدِ حیات کی طرف متوجہ کیا۔ یہی واقعات امت کی اخلاقی میراث ہیں، جن میں ہر دور کے انسان کے لیے ہدایت، نصیحت اور عملی نمونہ موجود ہے۔

افسوس کہ ہمارے زمانے میں اسلامی تاریخ کے یہ ایمان افروز واقعات عام قارئین کی نگاہوں سے اوجھل ہوتے جا رہے ہیں، جبکہ افسانوی ادب اور خیالی ناولوں کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہو رہا ہے۔ ایسے لٹریچر کی کمی نہیں جو وقتی دلچسپی تو پیدا کرتا ہے، لیکن ایمان، کردار اور اخلاق کی تعمیر میں کوئی حصہ ادا نہیں کرتا، بلکہ بسا اوقات قاری کو حقیقت سے دور لے جاتا ہے۔

اسی احساس نے "**سلسلۂ ایمان افروز تاریخی واقعات**" کی بنیاد رکھنے پر آمادہ کیا۔ اس سلسلے کا مقصد اسلامی تاریخ کے مستند اور معروف واقعات کو تاریخی روایات کی حدود کا مکمل لحاظ رکھتے ہوئے ادبی، دل نشین اور مؤثر انداز میں پیش کرنا ہے، تاکہ قاری مطالعے کی دلچسپی کے ساتھ ایمان، اخلاق اور کردار سازی کا سرمایہ بھی حاصل کر سکے۔

زیرِ نظر رسالہ "**اگر میں نے ان کی راہ چھوڑ دی...**" حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیاتِ مبارکہ کے ایک نہایت سبق آموز واقعے پر مبنی ہے۔ اس واقعے میں خلافتِ راشدہ کے اس عظیم امام کی وہ بلند ہمتی، زہد، قناعت اور اتباعِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جلوہ گر ہے، جس نے اقتدار کو راحت کا ذریعہ نہیں، بلکہ ذمہ داری اور جواب دہی کی امانت سمجھا۔

جب بعض جلیل القدر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے، خلیفۂ وقت کی بڑھتی ہوئی ضروریات کے پیشِ نظر، ان کے وظیفے میں اضافے کی رائے دی، تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سادہ زندگی کو یاد کیا اور وہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا جس نے اس رسالے کو اس کا عنوان عطا کیا:

"**اگر میں نے ان کی راہ چھوڑ دی تو ان کی منزل تک میری رسائی نہ ہو سکے گی۔**"

یہ مختصر سا جملہ درحقیقت خلافتِ راشدہ کے پورے مزاج، اتباعِ سنت کی حقیقی روح، اور آخرت کی کامیابی کے تصور کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ اس میں صرف حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی انفرادی کیفیت بیان نہیں ہوئی، بلکہ ہر اس مسلمان کے لیے ایک دائمی پیغام موجود ہے جو اپنی زندگی کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے برگزیدہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نقشِ قدم پر استوار کرنا چاہتا ہے۔

## اصل روایت اور اس کے مراجع

زیرِ نظر رسالے کا مرکزی واقعہ اسلامی تاریخ کے اُن معروف اور مقبول واقعات میں سے ہے جسے متعدد محدثین، مؤرخین اور سوانح نگاروں نے مختلف اسانید اور قدرے

لفظی اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے۔ اگرچہ الفاظ اور بعض جزئیات میں معمولی اختلاف پایا جاتا ہے، تاہم واقعے کا بنیادی مضمون تمام مصادر میں یکساں ہے۔ اسی لیے مناسب معلوم ہوا کہ اصل روایت اور اس کے اہم مراجع یہاں پیش کر دیے جائیں، تاکہ اس رسالے کی تاریخی بنیاد قارئین کے سامنے واضح رہے اور اہلِ علم کے لیے مراجعت کا دروازہ بھی کھلا رہے۔ حضرت امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ [م ۹۱۱ھ] نے اس روایت کو جمع الجوامع اور جامع الاحادیث میں نقل فرمایا ہے اس کے الفاظ یہ ہے:

"عن سالم بن عبد الله قال: لما ولى عمر بن الخطاب قعد على رزق أبى بكر الذى كانوا فرضوا له بذلك، فاشتدت حاجته، واجتمع نفر من المهاجرين فيهم عثمان وعلى وطلحة والزبير، فقال الزبير: لو قلنا لعمر فى زيادة تزيدها إياه فى رزقه؟! فقال على: وددنا أنه فعل ذلك، فانطلقوا بنا، فقال عثمان: إنه عمر فهلموا فلنستشر ما عنده من وراء وراء، نأتى حفصة فنكلمها، ونستكتمها أسماءنا، فدخلوا عليها وسألوها أن تخبر بالخبر عن نفر ولا تسمى أحدا له إلا أن يقبل، وخرجوا من عندها فلقيت عمر في ذلك فعرفت الغضب فى وجهه، فقال: من هؤلاء؟ قالت: لا سبيل إلى عليهم حتى أعلم ما رأيك، فقال: لو علمت من هم لسودت وجوههم، أنت بينى وبينهم أناشدك الله: ما أفضل ما اقتنى رسول الله -صلى الله عليه وسلم- فى بيتك من الملبس؟ قالت: ثوبين ممشقين كانا يلبسهما للوفد ويخطب فيهما للجمع، قال: فأى طعام ناله عندك أرفع؟ قالت: خبزنا خبز شعير نصب عليها وهى حارة أسفل عكة لنا فجعلناها حيسة دسماء حلوة نأكل منها ونطعم منها استطابة لها، قال: فأى مبسط كان يبسطه عندك كان أوطأ؟ قالت كساء لأضعن

**الفضول مواضعها ولأبلغن بالتوجيه، وإنما مثلي ومثل صاحبي كثلاثة نفر سلكوا طريقا، فمضى الأول وقد تزود زادا فبلغ، ثم أتبعه الآخر فسلك طريقه فأفضى إليه ثم أتبعهما الثالث، فإن لزم طريقهما ورضي بزادهما لحق بهما وكان معهما، وإن سلك غير طريقهما لم يجامعهما أبدا"۔**

*اس واقعے کو بعض لفظی اختلاف کے ساتھ درج ذیل مصادر میں نقل کیا گیا ہے:*

**(۱)تاریخ مدينة دمشق لابن عساكر، عمر بن الخطاب بن نفيل بن عبد العزى بن رياح بن عبد الله بن قرط بن رزاح، ج:۴۴، ص:۲۷۰، ۲۷۱، دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع، ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء**

**(۲)تاريخ الطبري، ج:۳، ص:۲۱۶، ۲۱۷، دار المعارف بمصر، ۱۳۸۷ھ**

**(۳)المنتظم في تاريخ الملوك والأمم، ثم دخلت سنة خمس عشرة ذكر من توفي في هذه السنة من الأكابر، ج:۴، ص:۱۹۷، ۱۹۸، دار الكتب العلمية، بيروت، ۱۴۱۲ھ**

**(۴)الكامل في التاريخ، ج:۲، ص:۳۳۳، دار الكتاب العربي، بيروت، ۱۴۱۷ھ**

**(۵)محض الصواب في فضائل أمير المؤمنين عمر بن الخطاب، الباب الثاني والخمسون: زهده، ج:۲، ص:۵۷۴، ۵۷۵، عمادة البحث العلمي بالجامعة الإسلامية، المدينة النبوية، المملكة العربية السعودية، ۱۴۲۰ھ/۲۰۰۰ء**

**(۶)جمع الجوامع المعروف بـ "الجامع الكبير"، مسند عمر بن الخطاب رضي الله عنه، ج:۱۶، ص:۵۱۷، ۵۱۸، الأزهر الشريف، القاهرة - جمهورية مصر العربية، ۱۴۲۶ھ**

**(۷)جامع الأحاديث، مسند عمر بن الخطاب، ج:۲۸، ص:۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، طبع على نفقة: د حسن عباس زكى،**

**(۸)كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال، ج:۱۲، ص:۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، مؤسسة الرسالة، بيروت، ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء**

**(۹)مجلة المقتبس، ج:۳۳، ص:۴۵، ۴۶، دمشق**

# علمی وضاحت

اس رسالے میں بیان کردہ واقعے کی اصل بنیاد متعدد معتبر تاریخی روایات پر ہے، جن میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زہد، قناعت، بیت المال کے بارے میں غیر معمولی احتیاط، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طرزِ زندگی کی پیروی مختلف الفاظ کے ساتھ منقول ہے۔

البتہ اس رسالے میں بعض مقامات پر منظر نگاری، مکالمات، داخلی احساسات اور جزوی تفصیلات کو ادبی اسلوب کے مطابق مرتب کیا گیا ہے، تاکہ واقعے کا ایمانی، اخلاقی اور تربیتی پیغام زیادہ مؤثر انداز میں قاری تک پہنچ سکے۔ انہیں مستقل تاریخی روایت یا لفظی نقل نہ سمجھا جائے، بلکہ اصل واقعے کی ادبی ترجمانی تصور کیا جائے۔ اس پوری کاوش میں اس امر کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے کہ کسی ثابت شدہ تاریخی حقیقت میں کوئی اضافہ یا تبدیلی نہ ہو۔

یہ رسالہ درحقیقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسی ایک تاریخی جملے کی تشریح ہے، جو آپ کی زبانِ مبارک سے ادا ہوا، مگر اپنے اندر اتباعِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، زہد، قناعت اور آخرت کی کامیابی کا ایک مکمل منشور سموئے ہوئے ہے۔

اگر اس کتاب کے مطالعے سے کسی قاری کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اتباع، صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اسلافِ امت کی سیرت سے وابستگی، اور اپنے کردار کی اصلاح کا جذبہ پیدا ہو جائے، تو یہی اس کا اصل مقصد اور راقم کی سب سے بڑی کامیابی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس معمولی

سی کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرمائے، اس میں اگر کوئی خیر ہے تو اسے اپنی رحمت سے باقی رکھے، اور اگر کہیں لغزش یا کوتاہی رہ گئی ہو تو اپنے فضل و کرم سے معاف فرمائے۔ **وما توفيقي إلا بالله، عليه توكلت وإليه أنيب**

محمد راحت خاں قادری

خادم دار العلوم فیضان تاج الشریعہ، بریلی شریف

۳۰/محرم الحرام ۱۴۴۸ھ/ ۱۶/جولائی ۲۰۲۶ء

# اگر میں نے ان کی راہ چھوڑ دی...

اتباعِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، زہدِ فاروقی اور امانتِ خلافت کی ایمان افروز داستان

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، جس نے اپنے برگزیدہ بندوں کو ایمان، تقویٰ، عدل، زہد اور اتباعِ سنت جیسی عظیم صفات سے آراستہ فرمایا، اور انہیں انسانیت کے لیے ہدایت کے روشن مینار بنا دیا۔ درود و سلام ہوں اس مقدس ہستی پر، جن کی سیرتِ طیبہ ہر خیر کا سرچشمہ اور ہر سعادت کی اصل ہے، اور اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتیں نازل ہوں ان کے پاک اہلِ بیت، جلیل القدر صحابۂ کرام اور تمام صالحین پر، جنہوں نے ہر حال میں سنتِ نبوی کو اپنی زندگی کا دستور بنایا۔

## ایک بوجھ، جو تاج نہیں تھا

مدینہ منورہ کی صبح ہمیشہ کی طرح روشن تھی...... مگر اس دن سورج کی کرنیں جیسے ایک نئی ذمہ داری کی خبر لے کر طلوع ہوئی تھیں...... ہوا کے نرم جھونکے مسجدِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحن سے گزرتے...... کھجور کے درختوں کے پتوں کو ہلاتے اور پھر مدینہ کی گلیوں میں بکھر جاتے...... بظاہر ہر چیز ویسی ہی تھی جیسے کل تھی، مگر حقیقت میں ایک عظیم تبدیلی رونما ہو چکی تھی...... امتِ مسلمہ کا دوسرا دور شروع ہو چکا تھا...... رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محبوب رفیق، خلیفۂ اوّل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے رب سے جا ملے تھے، اور اب امت کی باگ ڈور اس مردِ

آہن کے ہاتھوں میں آگئی تھی، جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ...... اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتے۔

یہ منصب دنیا کی نگاہ میں حکومت تھا...... مگر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نگاہ میں یہ حکومت نہیں...... بلکہ ایک ایسا بوجھ تھا جس کے نیچے پہاڑ بھی آجائیں تو جھک جائیں...... لوگ مبارک باد دے رہے تھے...... مگر وہ اپنے دل میں حسابِ آخرت کے اندیشے محسوس کر رہے تھے...... کسی نے خلافت میں عزت دیکھی، انہوں نے جواب دہی دیکھی...... کسی نے اقتدار دیکھا، انہوں نے امانت دیکھی...... کسی نے سلطنت دیکھی، انہوں نے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کھڑے ہونے کا منظر دیکھا۔

رات کو جب مدینہ خاموش ہو گیا اور گھروں کے چراغ ایک ایک کر کے بجھنے لگے...... تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیر تک جاگتے رہے...... ان کی نگاہیں آسمان پر تھیں، مگر دل اپنے رب کے حضور جھکا ہوا تھا...... وہ آہستہ سے بولے:

"اے عمر! کل تک تم اپنی ذات کے ذمہ دار تھے...... آج پوری امت کی ذمہ داری تمہارے کندھوں پر رکھ دی گئی ہے...... اگر فرات کے کنارے کوئی جانور بھی پیاسا رہ گیا تو اس کا سوال بھی تم سے ہو سکتا ہے۔"

یہ الفاظ کسی خطیب کے نہیں تھے...... ایک ایسے انسان کے تھے جو خلافت کو اعزاز نہیں بلکہ آزمائش سمجھتا تھا...... صبح ہوئی تو معمول کے مطابق لوگ مسجدِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں جمع تھے...... ہر شخص نئے خلیفہ کی طرف دیکھ رہا تھا...... کسی کے دل میں امید تھی...... کسی کے دل میں محبت...... اور کسی کے دل میں مستقبل کی توقعات...... مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذہن میں ایک اور سوال گردش کر رہا

تھا......ایسا سوال جو شاید کسی حکمران کے ذہن میں کبھی نہ آیا ہو۔

"اب میرا گھر کیسے چلے گا؟"

وہ نہ خزانے کے مالک تھے......نہ جاگیروں کے......نہ محلات کے......وہ ایک محنت کرنے والے تاجر تھے......برسوں سے اپنے ہاتھ کی کمائی سے اپنے اہل و عیال کی کفالت کرتے آئے تھے......تجارت ہی ان کا ذریعۂ معاش تھی......لیکن اب......؟ اب صبح سے شام تک خلافت کے معاملات ان کے سامنے ہوں گے......مظلوم کی دادرسی......مجاہدین کی نگرانی..........قاضیوں کی تقرری......بیت المال کی حفاظت......سرحدوں کی خبر گیری......امت کے ہزاروں مسائل۔

اگر وہ تجارت کریں گے تو خلافت متاثر ہو گی......اور اگر خلافت کو وقت دیں گے تو گھر کے چولہے کا کیا ہو گا......؟ یہ سوال صرف ایک گھر کا نہیں تھا......یہ پوری اسلامی حکومت میں امانت، دیانت اور اقتدار کی پاکیزگی کا معیار طے کرنے والا سوال تھا......اور اسی سوال سے ایک ایسا تاریخی باب شروع ہونے والا تھا......جس کی بازگشت آج بھی صدیوں بعد اہلِ ایمان کے دلوں میں سنائی دیتی ہے:

"میں ایک تاجر آدمی تھا..."

# ایک تاجر کا سوال

مسجدِ نبوی کی فضا میں خاموشی تھی صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حلقہ بنائے بیٹھے تھے......نئے دورِ خلافت کے آغاز کے ساتھ بہت سے معاملات طے ہونا باقی تھے......ہر شخص جانتا تھا کہ اب امت کی ذمہ داری ایک ایسے انسان کے کندھوں پر آ گئی ہے جو حق کے معاملے میں اپنے آپ پر بھی رعایت نہیں کرتا......حضرت عمر رضی

اللہ تعالیٰ عنہ آہستہ آہستہ مجلس میں تشریف لائے...... چہرہ ہمیشہ کی طرح باوقار تھا...... مگر نگاہوں میں ایک عجیب سی سنجیدگی جھلک رہی تھی...... ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے دل میں کوئی بات بار بار ابھر رہی ہو...... مجلس مکمل ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حاضرین کی طرف دیکھا اور نہایت ہی سادگی سے فرمایا:

"اے مسلمانو! تم جانتے ہو کہ میں ایک تاجر آدمی تھا...... اللہ تعالیٰ نے میرے کاروبار میں برکت دی تھی...... اور اسی تجارت سے میرے اہل وعیال کی گزر بسر خوش حالی سے ہوتی تھی...... لیکن اب تم لوگوں نے مجھے خلافت کے کام میں مشغول کر دیا ہے...... صبح سے شام تک امت کے معاملات میرے سپرد ہیں...... اس لیے تجارت کا سلسلہ باقی نہیں رہ سکتا...... اب تم ہی بتاؤ کہ بیت المال سے میرے لیے کس قدر لینا جائز ہوگا؟

یہ سوال سنتے ہی مجلس پر سکوت طاری ہوگیا...... یہ عجیب منظر تھا۔

دنیا میں حکومتیں اس لیے حاصل کی جاتی ہیں کہ خزانے کھل جائیں...... محلات تعمیر ہوں...... اور آسائشوں کے دروازے وا ہو جائیں...... لیکن یہاں ایک خلیفہ خود یہ پوچھ رہا تھا کہ "مجھے بیت المال سے کتنا لینا جائز ہے؟"...... کچھ لمحے سب خاموش رہے...... حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اسی مجلس میں موجود تھے...... آپ خاموش بیٹھے رہے...... گویا آپ یہ چاہتے تھے کہ پہلے دوسرے حضرات اپنی رائے پیش کریں...... بعض صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ادب سے عرض کیا:

"یا امیر المؤمنین! آپ امت کی خدمت کر رہے ہیں، جو مناسب سمجھیں لے لیجیے۔"

لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا چہرہ مطمئن نہ ہوا......وہ مناسب کا نہیں، حق کا تعین چاہتے تھے......اس دوران حاضرین کی نگاہیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اٹھیں......کسی نے عرض کیا:

"حضرت علی! آپ بھی اپنی رائے ارشاد فرمائیے۔"

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سر اٹھایا......چہرے پر وقار تھا اور لہجے میں وہی حکمت جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تربیت یافتہ شخصیت کا امتیاز تھی......آپ نے نہایت مختصر مگر فیصلہ کن الفاظ میں فرمایا:

"اے عمر! آپ کے لیے بیت المال سے صرف اتنا لینا جائز ہے جس سے دستور کے مطابق آپ کا اور آپ کے اہل وعیال کا گزر بسر ہو جائے......اس سے زیادہ آپ کے لیے حلال نہیں۔"

چند لمحوں کے لیے مجلس پر پھر خاموشی چھا گئی......یہ ایک فتویٰ نہیں تھا، بلکہ اسلامی حکومت کے مالی نظم کا ایسا اصول تھا جس نے خلافتِ راشدہ کی بنیادوں کو مضبوط کر دیا......حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر اکابر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی اسی رائے کی تائید فرمائی......حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چہرے پر اطمینان کی ہلکی سی جھلک نمودار ہوئی......انہوں نے سر جھکا کر فرمایا:

"**الحمد للہ**! اب میں اسی پر عمل کروں گا۔"

اس دن مجلس ختم ہوئی......مگر حقیقت میں صرف ایک مجلس ختم نہیں ہوئی تھی......اس دن اسلامی حکومت میں اقتدار کے استعمال کا ایک ایسا معیار قائم ہو گیا تھا جس کی مثال تاریخ عالم اور اقوامِ اُمم میں ملنا بہت دشوار ہے......خلیفہ نے اپنے لیے

دولت کا دروازہ نہیں کھولا...... بلکہ اپنے اوپر بھی وہی حد قائم کی جو ایک عام مسلمان کے لیے انصاف کا تقاضا تھی...... اسی فیصلے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوا...... سادگی کا...... قناعت کا...... اور ایسی امانت داری کا جس نے آنے والی نسلوں کو حیرت میں ڈال دیا۔

## امانت کا معیار

مجلسِ شوریٰ کا فیصلہ ہو چکا تھا...... حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دل کی گہرائی سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ امت نے ان کے لیے کوئی خصوصی رعایت نہیں رکھی...... بلکہ وہی معیار قائم کیا جو عدل، تقویٰ اور امانت کا تقاضا تھا...... اب بیت المال سے صرف اتنا ہی لیا جائے گا، جتنا ایک متوسط مسلمان کے لیے ضروری ہو...... لیکن فیصلہ کرنا ایک بات تھی، اور اس فیصلے پر مسلسل قائم رہنا دوسری...... خلافت کا منصب سنبھالنے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی پہلے سے کہیں زیادہ مصروف ہوگئی...... فجر کے بعد مسجدِ نبوی میں لوگوں کے مسائل سنے جاتے...... پھر عاملوں اور قاضیوں کے خطوط پڑھے جاتے...... بیت المال کے معاملات دیکھے جاتے...... لشکروں کی خبریں وصول ہوتیں...... دور دراز علاقوں سے آنے والے وفود سے ملاقاتیں ہوتیں...... اور شام ڈھلتے ڈھلتے بھی ذمہ داریوں کا سلسلہ ختم نہ ہوتا۔

وہ تجارت جس سے گھر کے اخراجات پورے ہوتے تھے، اب تقریباً موقوف ہو چکی تھی...... اس کے باوجود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کبھی یہ خیال اپنے دل میں نہ آنے دیا کہ چونکہ وہ مسلمانوں کے خلیفہ ہیں، اس لیے انہیں دوسروں سے بہتر زندگی بسر

کرنی چاہیے......ان کے نزدیک خلافت عزت کا نہیں، جواب دہی کا منصب تھا......وہ جب بیت المال سے اپنا مقررہ وظیفہ لیتے تو اس میں نہ کوئی اضافہ کرتے، نہ کسی قسم کی سہولت اپنے لیے مخصوص کرتے......اگر کسی چیز کی ضرورت پیش آتی تو پہلے یہ دیکھتے کہ کیا اس کے بغیر گزارا ممکن ہے؟ اگر ممکن ہوتا تو خواہش کو وہیں دفن کر دیتے۔

ان کا لباس وہی سادہ تھا جس میں ایک عام مسلمان نظر آتا تھا......ان کی غذا وہی تھی جو مدینہ کے متوسط گھرانوں میں پکتی تھی......ان کے گھر کے دروازے پر نہ پہرے دار کھڑے ہوتے تھے، نہ اندر شاہانہ ساز و سامان دکھائی دیتا تھا......کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ کئی دن گزر جاتے اور گھر میں آسائش کی کوئی چیز نظر نہ آتی......لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چہرے پر نہ شکایت کے آثار ہوتے، نہ محرومی کا احساس......وہ جانتے تھے کہ جس شخص نے دوسروں کے حقوق کی حفاظت کا عہد کیا ہو، اسے اپنی خواہشات کا غلام نہیں بننا چاہیے۔

البتہ وقت گزرنے کے ساتھ حالات میں ایک تبدیلی آنے لگی......ذمہ داریاں بڑھتی گئیں......وفود کی آمد زیادہ ہونے لگی......خلافت کی حدود وسیع ہوئیں تو مصروفیات میں بھی اضافہ ہو گیا......گھر کے اخراجات پہلے سے زیادہ محسوس ہونے لگے......اہلِ خانہ نے کبھی زبان سے شکایت نہ کی، مگر حالات اپنی زبان خود بولتے تھے......بعض اوقات ضرورت ایسی آ کھڑی ہوتی کہ مقررہ وظیفہ پورا نہ پڑتا......یہ کیفیت چند دن کی نہیں تھی، بلکہ مسلسل محسوس ہونے لگی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حسبِ معمول صبر کرتے رہے......لیکن صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی نگاہیں بھی اس حقیقت کو دیکھ رہی تھیں......وہ جانتے تھے کہ مسلمانوں کا خلیفہ اپنی ذات پر سختی کر سکتا ہے......لیکن اگر یہ سختی اس حد تک پہنچ جائے

کہ ذمہ داریوں کی ادائیگی ہی متاثر ہونے لگے تو اس پر غور کرنا بھی امت کی ذمہ داری ہے...... چنانچہ ایک دن چند جلیل القدر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپس میں جمع ہوئے......ان میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی موجود تھے......موضوع صرف ایک تھا......کیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وظیفے میں اضافہ کر دیا جائے؟

یہ سوال کسی دنیادار حاکم کی آسائش کے لیے نہیں تھا...... بلکہ اس امانت دار خلیفہ کے لیے تھا جس نے اپنی پوری زندگی امت کے لیے وقف کر دی تھی......مگر وہ یہ بھی جانتے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو براہِ راست یہ بات کہنا آسان نہیں ہوگا......وہ خود اپنے لیے کبھی اضافے پر آمادہ نہ ہوں گے......لہٰذا ایسی تدبیر سوچنی ہوگی جس سے ان کی رائے بھی معلوم ہو جائے اور انہیں یہ احساس بھی نہ ہو کہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان کے لیے خصوصی رعایت کا مطالبہ کر رہے ہیں......اسی سوچ کے ساتھ ایک نئی تدبیر سامنے آئی۔

## ایک خاموش مشورہ

مدینہ منورہ کی فضا ان دنوں عجیب اطمینان بخش تھی......اسلامی ریاست کی سرحدیں روز بروز وسیع ہو رہی تھیں......مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی میں وسعت کے بجائے سادگی اور مشقت بڑھتی جا رہی تھی......جس قدر سلطنت پھیلتی......اسی قدر ذمہ داریاں بڑھ جاتیں......دن کا بیشتر حصہ رعایا کے مسائل میں گزرتا اور رات کا ایک حصہ عبادت میں، دوسرا امت کی فکر میں......صحابۂ کرام رضی

اللہ تعالیٰ عنہم یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے......انہیں معلوم تھا کہ مسلمانوں کا خلیفہ بیت المال سے صرف اتنا ہی لیتا ہے جس سے کسی طرح گھر کا نظام چل سکے......لیکن اب حالات بدل چکے تھے......وفود کی آمد بڑھ گئی تھی......ضرورتیں بھی پہلے سے زیادہ ہوگئی تھیں......اور خلافت کا بار پہلے کی نسبت کہیں زیادہ بھاری ہو چکا تھا۔

ایک روز چند جلیل القدر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپس میں جمع ہوئے......کچھ دیر تک خاموشی رہی......گویا ہر شخص ایک ہی بات سوچ رہا ہو......مگر زبان پر لانے میں تامل محسوس کر رہا ہو......آخر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سکوت توڑا۔

"آپ حضرات حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی کو دیکھ رہے ہیں......ان کی ذمہ داریاں پہلے سے کہیں بڑھ گئی ہیں، مگر وہ آج بھی وہی معمولی وظیفہ لے رہے ہیں......میرا خیال ہے کہ اب ان کے وظیفے میں کچھ اضافہ ہونا چاہیے۔"

مجلس میں موجود تمام حضرات نے اس بات کی تائید کی......حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

"اگر اضافہ بھی ہو تو وہ ضرورت کی حد تک ہو......کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود کبھی اسراف یا آسائش کی طرف مائل نہیں ہوں گے۔"

حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا:

"اصل مشکل یہ ہے کہ وہ اپنے لیے کسی اضافے کو آسانی سے قبول نہیں کریں گے۔"

حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اثبات میں سر ہلایا......سب اس حقیقت

سے واقف تھے......وہ شخص جو دوسروں کے حقوق کے معاملے میں اپنے بیٹے تک کو رعایت نہ دیتا ہو......وہ اپنی ذات کے لیے کس طرح نرمی اختیار کرے گا؟......کچھ دیر خاموشی رہی......پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہایت حکمت بھری رائے پیش فرمائی۔

"براہِ راست یہ بات کہنا مناسب معلوم نہیں ہوتا......بہتر یہ ہے کہ پہلے کسی مناسب طریقے سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے معلوم کی جائے......اگر وہ خود اس کی گنجائش سمجھیں تو پھر گفتگو آگے بڑھے۔"

یہ رائے سب کو پسند آئی......اب سوال یہ تھا کہ یہ ذمہ داری کس کے سپرد کی جائے......؟ کون ایسی شخصیت ہے جس کی بات حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پوری توجہ سے سنیں......اور جس کے سامنے اپنے دل کی بات بھی بے تکلف بیان کر دیں؟

چند لمحوں کے غور و فکر کے بعد سب کی نگاہیں ایک ہی نام پر جا کر ٹھہر گئیں......ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا......وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات میں سے تھیں......اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی بھی......ان سے بہتر اس کام کے لیے کون ہو سکتا تھا؟

چنانچہ بعض حضرات نے ادب کے ساتھ ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی گزارش پیش کی......انہوں نے پوری بات خاموشی سے سنی......وہ اپنے والد کی طبیعت سے بخوبی واقف تھیں......جانتی تھیں کہ دنیا کی کوئی آسائش ان کے دل کو اپنی طرف مائل نہیں کر سکتی......پھر بھی جب صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کہ مقصد صرف یہ ہے کہ خلافت کی بھاری ذمہ داریوں کے پیشِ نظر ان کی رائے معلوم ہو جائے......تو ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا:

"میں مناسب موقع پر ان سے بات کروں گی، لیکن ایک شرط ہے۔"

سب متوجہ ہو گئے...... انہوں نے فرمایا:

"انہیں یہ معلوم نہیں ہونا چاہیے کہ یہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تجویز ہے، ورنہ وہ میری بات سننے سے پہلے ہی انکار کر دیں گے۔"

سب نے اس رائے کو پسند کیا...... یوں ایک خاموش مشورہ طے پا گیا...... کسی کے دل میں دنیا کی محبت نہ تھی...... نہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں، نہ ان کے رفقائے کار کے دل میں...... سب کا مقصد صرف یہ تھا کہ خلافت کی یہ عظیم امانت پوری قوت، پوری دیانت اور پوری یکسوئی کے ساتھ ادا ہوتی رہے...... کسی کو معلوم نہ تھا کہ باپ اور بیٹی کے درمیان ہونے والی آئندہ گفتگو زہد، قناعت اور اتباعِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایسا درخشاں باب بن جائے گی...... جسے تاریخ کبھی فراموش نہیں کرے گی۔

## باپ اور بیٹی

مدینہ منورہ کی ایک پُرسکون شام تھی...... آسمان پر سورج اپنی آخری کرنیں بکھیر رہا تھا...... مسجدِ نبوی سے عصر کی نماز کے بعد لوگ اپنے اپنے گھروں کو لوٹ چکے تھے...... گلیوں میں معمول کی خاموشی تھی...... مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں آج ایک ایسی گفتگو ہونے والی تھی جو آنے والی نسلوں کے لیے زہد، قناعت اور اتباعِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معیار بننے والی تھی...... ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے والد کے مزاج سے خوب واقف تھیں...... وہ جانتی تھیں کہ ان کے والد دنیا کی کسی نعمت کے طلب گار نہیں...... مگر یہ بھی حقیقت تھی کہ ان کی

ذمہ داریاں روز بروز بڑھتی جارہی تھیں...... صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی خیرخواہی بھی بے غرض تھی اوران کا مقصد صرف یہ تھا کہ مسلمانوں کا خلیفہ اپنی ذمہ داری پوری قوت کے ساتھ ادا کرتا رہے۔

کئی دن تک حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مناسب موقع تلاش کرتی رہیں...... آخر ایک دن جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے گھر میں تشریف فرما تھے اور ماحول نسبتاً پرسکون تھا...... تو انہوں نے نہایت ادب سے عرض کیا:

"ابا جان! میں ایک بات عرض کرنا چاہتی ہوں۔"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شفقت سے فرمایا:

"بیٹی! کہو، کیا بات ہے؟"

حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نہایت محتاط انداز میں گفتگو شروع کی...... "آپ پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی بہت بڑی ذمہ داری رکھی ہے...... صبح سے رات تک آپ امت کی خدمت اور ان کی بھلائی کے کاموں میں مشغول رہتے ہیں...... پہلے کی نسبت اب آپ کی مصروفیات بھی زیادہ ہیں اور ضروریات بھی...... اگر آپ بیت المال سے اپنے وظیفے میں کچھ اضافہ لے لیں، تاکہ آپ اور آپ کے اہل وعیال کو کچھ سہولت حاصل ہو جائے، تو شاید اس میں کوئی حرج نہ ہو۔"

الفاظ نہایت نرم تھے...... لہجہ نہایت مؤدبانہ تھا...... اور مقصد صرف خیر خواہی...... لیکن جیسے ہی یہ جملہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کانوں میں پہنچا...... ان کے چہرے کے آثار بدل گئے...... انہوں نے غور سے اپنی صاحبزادی کی طرف دیکھا...... کچھ لمحے خاموش رہے...... پھر فرمایا:

"حفصہ! یہ رائے تمہاری اپنی ہے، یا کسی نے تم سے یہ بات کہلوائی ہے؟"

حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خاموش رہیں......انہوں نے نہ اثبات کیا، نہ انکار......حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب کچھ سمجھ گئے......لیکن اس کے باوجود انہوں نے اصل موضوع ہی کو سامنے رکھا......انہوں نے نہایت سنجیدگی سے فرمایا:

"بیٹی! میں تم سے چند سوال کرتا ہوں۔ سچ سچ جواب دینا۔"

حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ادب سے عرض کیا:

"جی ابا جان۔"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا:

"مجھے بتاؤ، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس سب سے عمدہ لباس کون سا تھا؟"

یہ سوال سنتے ہی حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نگاہوں کے سامنے اپنے آقا و مولا، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مبارک زندگی کے مناظر تازہ ہو گئے......انہوں نے عرض کیا:

"اے ابا جان! دو گیروے رنگ کے کپڑے تھے......جب جمعہ کا دن ہوتا، یا کسی وفد سے ملاقات مقصود ہوتی، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہی لباس زیبِ تن فرماتے تھے۔"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاموشی سے سنتے رہے......ان کی نگاہیں زمین کی طرف تھیں، گویا وہ اپنے دل میں ایک ایک منظر کو زندہ کر رہے ہوں......پھر انہوں نے دوسرا سوال کیا:

"اور بتاؤ، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سب سے عمدہ کھانا کون سا تناول فرمایا تھا؟"

حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا:

"ایک مرتبہ جو کی گرم روٹی تیار کی گئی تھی...... میں نے اس پر شہد لگا دیا تھا، تا کہ وہ کچھ نرم اور شیریں ہو جائے...... یہی ہمارے گھر کا بہترین کھانا تھا۔"

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گہری سانس لی...... گویا ان کی نگاہوں کے سامنے وہ مبارک دستر خوان آ گیا تھا، جس پر دنیا کے سردار نے کبھی شاہانہ کھانے طلب نہیں کیے...... کمرے میں پھر خاموشی چھا گئی...... خاموشی ایسی، جس میں الفاظ سے زیادہ تاریخ بول رہی تھی۔

## قدرت ہوتے ہوئے بھی دنیا سے دوری

کمرے میں خاموشی طاری تھی...... حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوالات ختم نہیں ہوئے تھے...... وہ گویا اپنی بیٹی سے جواب نہیں، بلکہ اپنے دل کے اطمینان کی تجدید کر رہے تھے...... چند لمحے گزرے، پھر آپ نے نہایت سنجیدگی سے تیسرا سوال فرمایا:

"حفصہ! مجھے یہ بھی بتاؤ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گھر کا سب سے نرم اور عمدہ بستر کون سا تھا؟"

حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی آنکھوں میں ماضی کے حسین مناظر ایک بار پھر تازہ ہو گئے...... انہوں نے عرض کیا:

"ابا جان! اون کی ایک موٹی چادر تھی۔ گرمی کے دنوں میں اسے چار تہ کر کے بچھا دیا جاتا تھا...... اور سردیوں میں پوری چادر بچھا دی جاتی، آدھی بچھونے کے لیے ہوتی اور آدھی اوڑھ لی جاتی...... ہمارے گھر کا یہی سب سے بہتر بستر تھا۔"

یہ جواب سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سر جھکا لیا...... کچھ دیر تک خاموش رہے...... اس خاموشی میں محبت بھی تھی، عقیدت بھی، اور اپنے محبوب رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت پر چلنے کا عزم بھی...... پھر انہوں نے نہایت پُرسوز لہجے میں فرمایا:

"حفصہ! کیا تم جانتی ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چاہتے تو کس قدر آسائش میں زندگی بسر کر سکتے تھے؟"

حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا:

"بلاشبہ! اللہ تعالیٰ کے محبوب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اگر چاہا ہوتا تو اللہ تعالیٰ دنیا کے خزانے بھی آپ کے قدموں میں ڈال دیتا۔"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

"لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔"

یہ کہتے کہتے ان کی آواز بھرّا گئی۔

"انہوں نے قدرت ہوتے ہوئے بھی دنیا کی زینت کو اختیار نہیں فرمایا...... بقدرِ ضرورت پر اکتفا کیا، تاکہ امت کو یہ تعلیم دے دی جائے کہ عزت مال کی کثرت میں نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا میں ہے۔"

پھر کچھ توقف فرمایا...... گویا دل میں برسوں سے محفوظ ایک عہد زبان پر آ رہا ہو...... فرمایا:

"اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ......"

یہ نام لیتے ہی ان کے چہرے پر محبت کی ایک عجیب کیفیت نمودار ہوئی......" انہوں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اسی راہ کو اختیار

کیا......خلافت ملی، مگر زندگی نہ بدلی......اختیار ملا، مگر سادگی نہ چھوڑی۔"

حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خاموشی سے اپنے والد کی گفتگو سن رہی تھیں......اب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آواز میں وہ جلال پیدا ہو گیا جو صرف سچے عاشقِ رسول کے دل کا خاصہ ہے......انہوں نے فرمایا:

"حفصہ! میری مثال ان تین مسافروں کی سی ہے جو ایک ہی راستے پر چل رہے ہوں۔"

"پہلا مسافر وہ جو دوسروں کو راہ دکھا کر، راستے کی دشواریوں اور ہلاکت خیزیوں کو اچھے سے سمجھا کر اپنی منزل پر پہنچ گیا"......"اس کے بعد دوسرا اسی راستے پر چل کر اس سے جاملا"......"اب تیسرا مسافر اگر وہ راستہ چھوڑ کر کسی اور طرف نکل جائے تو کیا وہ اپنے ساتھیوں تک پہنچ سکے گا؟"

حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فوراً عرض کیا:

"ہرگز نہیں، ابا جان!"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہایت پُریقین لہجے میں فرمایا:

"بس، میری منزل بھی وہی ہے جہاں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہنچے ہیں۔"

پھر وہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا جس نے اس پوری گفتگو کو ہمیشہ کے لیے امر کر دیا:

"اگر میں نے ان کی راہ چھوڑ دی تو ان کی منزل تک میری رسائی نہ ہو سکے گی۔"

یہ صرف ایک جملہ نہ تھا......یہ ایک خلیفہ کا عہد تھا......ایک عاشقِ رسول کا اعلان تھا......ایک حاکم کا اپنے نفس کے خلاف فیصلہ تھا......اور پوری امت کے لیے قیامت تک کا ایک معیار تھا......حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی آنکھیں نم ہو

گئیں......انہوں نے محسوس کیا کہ آج ان کے والد نے صرف ان کے سوال کا جواب ہی نہیں دیا...... بلکہ خلافتِ راشدہ کا منشور بیان فرما دیا ہے۔

بعد میں جب صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جواب معلوم ہوا تو کسی نے دوبارہ اس موضوع کو نہیں چھیڑا......سب جان گئے کہ جس شخص کی نگاہ ہر وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طرزِ زندگی پر ہو......اسے دنیا کی فراوانی اپنی طرف مائل نہیں کر سکتی......اسی لیے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت صرف ایک حکومت نہ بنی، بلکہ امانت، زہد، عدل اور اتباعِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا روشن نمونہ بن گئی۔

## راہ بدلنے والے اور راہ نبھانے والے

تاریخ بعض اوقات ایک جملہ لکھتی ہے، مگر اس جملے کے پیچھے پوری ایک صدی کا کردار کھڑا ہوتا ہے......حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فرمان:

"اگر میں نے ان کی راہ چھوڑ دی تو ان کی منزل تک میری رسائی نہ ہو سکے گی۔"

صرف اس دن کا جواب نہ تھا جب ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وظیفے میں اضافے کی بات کی تھی......بلکہ یہ آپ کی پوری زندگی کا دستورِ عمل تھا......اس گفتگو کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی میں کوئی نمایاں تبدیلی نہ آئی......بیت المال بدستور مسلمانوں کی امانت رہا......خلیفۂ وقت نے اپنے لیے نہ کوئی نیا مکان تعمیر کیا......نہ لباس میں تکلف اختیار کیا......نہ دسترخوان پر رنگا رنگ نعمتوں کا اہتمام کیا۔

وہ سمجھتے تھے کہ رعایا کا مال رعایا کی ضرورتوں کے لیے ہے، حاکم کی خواہشوں کی

تکمیل کے لیے نہیں......اسی لیے آپ جب بیت المال میں داخل ہوتے تو اس احساس کے ساتھ قدم رکھتے کہ گویا کسی یتیم کے گھر میں داخل ہو رہے ہیں......ایک درہم بھی لیتے تو دل میں یہ خوف جاگ اٹھتا کہ کہیں قیامت کے دن اس کا حساب نہ دینا پڑ جائے......کبھی کوئی قیمتی چیز سامنے آتی تو نگاہ ضرور پڑتی، مگر دل اس کی طرف مائل نہ ہوتا......آپ فرمایا کرتے تھے کہ دنیا کی حقیقت اس مسافر کی سی ہے جو چند لمحوں کے لیے کسی درخت کے سائے میں بیٹھے، پھر اسے چھوڑ کر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جائے۔

آپ کے نزدیک خلافت کا مطلب یہ نہ تھا کہ خلیفہ دوسروں سے بہتر کھائے، بہتر پہنے اور بہتر مکان میں رہے......بلکہ آپ کی نگاہ میں خلافت کا مطلب یہ تھا کہ سب سے پہلے خلیفہ خود اپنے نفس کو شریعت کا پابند بنائے......پھر دوسروں سے اطاعت کا مطالبہ کرے......اسی لیے رعایا آپ کے فیصلوں پر اعتماد کرتی تھی......لوگ جانتے تھے کہ جس شخص نے اپنی خواہشات کو بیت المال کے دروازے پر روک دیا ہو، وہ کبھی دوسروں کے حقوق پر ڈاکہ نہیں ڈال سکتا......یہی وجہ تھی کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی عامل یا گورنر کا محاسبہ فرماتے تو کسی کو تعجب نہ ہوتا......وہ کہتے:

”جس نے اپنے لیے نرمی نہ رکھی، وہ دوسروں کے لیے بے جا نرمی کیوں کرے گا؟“

یہی عدل تھا......یہی امانت تھی......اور یہی خلافتِ راشدہ کا حسن تھا۔

آج دنیا میں اقتدار کو اکثر لوگ دولت جمع کرنے کا ذریعہ سمجھتے ہیں......عہدہ ملتے ہی رہائش بدل جاتی ہے......سواری بدل جاتی ہے......لباس بدل جاتا ہے......محفلیں بدل جاتی ہیں......اور بعض اوقات

تو انسان کا لہجہ بھی بدل جاتا ہے۔

مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلافت ملی تو صرف ایک چیز بدلی...... ذمہ داری بڑھ گئی...... باقی زندگی وہی رہی...... سادگی وہی...... قناعت وہی...... خشیتِ الٰہی وہی...... اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مبارک سنتوں سے وابستگی وہی۔

شاید اسی لیے تاریخ نے بہت سے بادشاہوں کے محلات تو محفوظ نہیں رکھے...... مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وہ چند جملے آج بھی دلوں پر حکومت کر رہے ہیں...... کیونکہ محلات پتھروں سے بنتے ہیں...... اور کردار یقین، اخلاص اور اتباعِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے۔

## منزل تک پہنچنے کا راستہ

کتاب کے اوراق اب اختتام کے قریب تھے...... لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ ایک جملہ قاری کے دل میں پہلے سے کہیں زیادہ گونج رہا تھا:

"اگر میں نے ان کی راہ چھوڑ دی تو ان کی منزل تک میری رسائی نہ ہو سکے گی۔"

یہ صرف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نہیں...... بلکہ ہر اس مسلمان کے لیے ایک معیار ہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے۔

محبت صرف جذبات کا نام نہیں...... محبت صرف نعتیں پڑھ لینے یا درود شریف کی کثرت کا نام بھی نہیں...... سچی محبت یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی کا راستہ بھی وہی اختیار کرے جو محبوب کا راستہ تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی حقیقت کو سمجھ چکے تھے...... وہ جانتے تھے

کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی منزل اللہ تعالیٰ کی رضا تھی، اور اس منزل تک پہنچنے کے لیے وہی راستہ اختیار کرنا ہوگا جس پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چلے......اسی لیے خلافت نے ان کے لباس کو نہیں بدلا......اقتدار نے ان کے مزاج کو نہیں بدلا......وسعتِ سلطنت نے ان کی زندگی کو نہیں بدلا...... بلکہ ہر نئی ذمہ داری انہیں اپنے محبوب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نقشِ قدم کے اور زیادہ قریب لے جاتی رہی۔

یہی وجہ ہے کہ چودہ صدیاں گزر جانے کے باوجود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام لیا جاتا ہے تو دل احترام سے جھک جاتے ہیں۔

لوگ ان کے محل کو یاد نہیں کرتے......کیونکہ ان کے پاس محل تھا ہی نہیں......لوگ ان کے خزانوں کا ذکر نہیں کرتے......کیونکہ انہوں نے خزانے اپنے لیے جمع کیے ہی نہیں تھے......لوگ ان کے شاہانہ لباس کی مثال نہیں دیتے......کیونکہ ان کی عظمت لباس سے نہیں، کردار سے تھی......ان کی یاد آج بھی زندہ ہے، کیونکہ انہوں نے صرف حکومت نہیں، امانت نبھائی تھی۔

آج ہمارا معاشرہ ایک مختلف آزمائش سے گزر رہا ہے......آسائش کو کامیابی سمجھ لیا گیا ہے......سادگی کو محرومی تصور کیا جاتا ہے......منصب ملتے ہی معیارِ زندگی بدل جانا ایک معمول بن گیا ہے......کبھی انسان اپنے عہدے کے نام پر دوسروں سے امتیاز چاہتا ہے، اور کبھی اپنے منصب کو ذاتی منفعت کا ذریعہ بنا لیتا ہے......حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی اعلان کر رہی ہے کہ عہدہ انسان کو دوسروں سے بڑا نہیں بناتا......بلکہ دوسروں کے سامنے زیادہ جواب دہ بنا دیتا ہے۔

یہ سبق صرف حکمرانوں کے لیے نہیں......یہ ہر اس شخص کے لیے ہے جس کے

سپرد کوئی ذمہ داری ہے...... استاذ اپنے شاگردوں کے روشن مستقبل کا ذمہ دار ہے...... حاکم اپنے فیصلے کا ذمہ دار ہے...... عالمِ دین اپنے علم کا ذمہ دار ہے...... امام اپنی مسجد کا ذمہ دار ہے...... ادارے کا نگران اپنے ماتحتوں کا ذمہ دار ہے...... گھر کا سربراہ اپنے اہل وعیال کا ذمہ دار ہے۔

ہر ایک کے سامنے ایک ہی سوال ہے:

کیا میں اسی راہ پر چل رہا ہوں جس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے جاں نثار صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم چلے تھے؟

اگر جواب اثبات میں ہے تو منزل کی امید بھی رکھی جاسکتی ہے...... اور اگر راستہ ہی بدل دیا گیا، تو پھر منزل کی آرزو محض ایک خواہش رہ جائے گی...... یہی اس کتاب کا پیغام ہے...... منزل بدلنے سے پہلے راستہ بدلتا ہے...... اور جو لوگ راستہ بدل دیتے ہیں، وہ منزل تک پہنچنے کی امید بھی کھو دیتے ہیں...... حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے نفس سے ایک ہی عہد لیا تھا:

"میں ان کی راہ نہیں چھوڑوں گا۔"

اسی ایک فیصلے نے انہیں تاریخ کے عظیم ترین حکمرانوں کی صف میں لا کھڑا کیا۔

آج اگر ہم اپنے گھروں، اپنی تجارت، اپنی ملازمت، اپنے مدارس، اپنی مساجد، اپنی خانقاہوں، اپنے اداروں، اپنی مجلسوں، اپنی محفلوں، اپنی دعوتوں اور اپنی شناختوں میں یہی عہد تازہ کرلیں کہ ہم بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی راہ کو نہیں چھوڑیں گے، تو ان شاء اللہ ہماری منزل بھی وہی ہوگی جس کی بشارت قرآن وسنت نے دی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اخلاص کے ساتھ اتباعِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توفیق

عطا فرمائے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نقشِ قدم پر چلنے کی سعادت نصیب فرمائے، اور خاتمہ ایمان، سنت اور رضائے الٰہی پر فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

## آج کے ذمہ داران کے نام

تاریخ صرف قصے سنانے کے لیے نہیں لکھی جاتی، بلکہ آئندہ نسلوں کی رہنمائی کے لیے محفوظ کی جاتی ہے...... اگر تاریخی واقعات سے سبق نہ لیا جائے تو وہ محض چند صفحات کا مجموعہ رہ جاتے ہیں...... لیکن جب انسان ان میں اپنے لیے آئینہ تلاش کرتا ہے تو یہی واقعات کردار سازی کا سرچشمہ بن جاتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس پوری داستان کا خلاصہ صرف اتنا نہیں کہ ایک خلیفہ نے اپنا وظیفہ بڑھانے سے انکار کر دیا...... بلکہ اصل سبق یہ ہے کہ جس شخص کے سپرد امانت ہو، وہ اپنی خواہش کو نہیں بلکہ اپنی ذمہ داری کو مقدم رکھے...... آج اگر ہم اپنے معاشرے پر نظر ڈالیں تو محسوس ہوتا ہے کہ بہت سے مسائل کی جڑ یہی ہے کہ ہم نے امانت کو حق نہیں، بلکہ مراعات سمجھ لیا ہے...... عہدہ ملتے ہی انسان اپنی ضروریات نہیں، بلکہ اپنی خواہشات پوری کرنے لگتا ہے...... سرکاری منصب ہو یا دینی خدمت...... تعلیمی ادارہ ہو یا رفاہی تنظیم...... مسجد کی امامت و تولیت ہو یا کسی ادارے کی نگرانی...... اگر نیت میں اخلاص کمزور پڑ جائے تو امانت آہستہ آہستہ ذاتی مفاد کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مبارک سیرت سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ عہدہ جتنا

بلند ہوگا، اتنا ہی زیادہ احتساب بھی ہوگا...... جس ہاتھ میں اختیار دیا جاتا ہے، اسی ہاتھ سے اللہ تعالیٰ حساب بھی لے گا...... یہ واقعہ صرف حکمرانی کے لیے ہی سبق نہیں ہے...... یہ ہر اس شخص کے لیے درس عبرت ہے جس کے پاس کسی بھی درجے کی ذمہ داری موجود ہے۔

اگر آپ ایک باپ ہیں تو آپ اپنے گھر کے نگران ہیں...... اگر آپ استاذ ہیں تو آپ بچوں کے مستقبل کے امین ہیں...... اگر آپ عالِم دین ہیں تو لوگوں کے عقائد، عبادات اور اخلاق آپ کی امانت ہیں...... اگر آپ مسجد کے امام ہیں تو محراب آپ کے لیے عزت نہیں، جواب دہی کا مقام ہے...... اگر آپ مسجد کے متولی ہیں تو مسجد اور مسجد سے متعلق تمام ذمہ داریوں کو ادا کرنا ہی آپ کی ذمہ داری ہے...... اگر آپ مدرسے کے مہتمم ہیں تو ایک ایک روپیہ، ایک ایک طالب علم اور ایک ایک فیصلہ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے...... اگر آپ کسی ٹرسٹ، وقف، جماعت یا رفاہی ادارے کے ذمہ دار ہیں تو یاد رکھیے کہ عوام کا اعتماد بھی ایک امانت ہے اور ان کا دیا ہوا مال بھی ایک امانت۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طرزِ عمل ہمیں یہی سکھاتا ہے کہ امانت میں معمولی سی لغزش بھی دل کو بے چین کر دینی چاہیے، نہ کہ مطمئن...... آج دنیا میں کامیابی کا معیار بدل گیا ہے...... لوگ پوچھتے ہیں:

"کتنا کمایا؟"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پوچھتے تھے:

کتنا بچایا، تاکہ کسی مسلمان کا حق میرے ذمے نہ آجائے؟"

لوگ پوچھتے ہیں:

"عہدے سے مجھے کیا ملا؟"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے آپ سے پوچھتے تھے:

"اس عہدے کی وجہ سے قیامت کے دن مجھ سے کیا پوچھا جائے گا؟"

یہی وہ فرق ہے جس نے خلافتِ راشدہ کو تاریخ کا روشن ترین باب بنا دیا۔

آج اگر کوئی حاکم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت سے صرف ایک سبق بھی سیکھ لے کہ ناحق مال اپنی ذات پر خرچ کرنے سے پہلے ہزار مرتبہ سوچنا چاہیے، تو نہ جانے کتنے مظلوموں کے آنسو رک جائیں...... اگر کوئی عالم یہ سیکھ لے کہ دین بے لوث خدمت کا نام ہے...... ذریعۂ معاش بن جانے کے باوجود اس میں اخلاص باقی رہنا چاہیے...... مقصود خدمت دین ہو معاش مقصود نہ ہو تو علم میں برکت پیدا ہو جائے...... اگر کوئی تاجر یہ سیکھ لے کہ رزق کی برکت دیانت میں ہے، نہ کہ ناجائز منافع میں، تو بازاروں کی فضا بدل جائے...... اگر ہر مسلمان صرف یہ سوچ لے کہ مجھے بھی ایک دن اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے ہونا ہے، تو معاشرے کی بہت سی برائیاں خود بخود ختم ہو جائیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمت صرف اس لیے نہیں کہ وہ خلیفہ تھے...... بلکہ اس لیے کہ وہ خلافت کے باوجود اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا جواب دہ بندہ سمجھتے تھے...... ان کی نگاہ ہمیشہ اس منزل پر تھی جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے واضح فرمائی تھی، اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اسی راہ کے مسافر بن کر اپنی منزل پا چکے تھے...... اسی لیے وہ بار بار اپنے نفس کو ایک ہی بات یاد دلاتے تھے:

"اگر میں نے ان کی راہ چھوڑ دی تو ان کی منزل تک میری رسائی نہ ہو سکے گی۔"

یہ صرف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جملہ نہیں، بلکہ ہر اس مسلمان کے لیے ایک چراغِ راہ ہے جو دنیا میں کامیابی کے ساتھ آخرت کی کامیابی بھی چاہتا ہے...... اللہ تعالیٰ ہمیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امانت، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اخلاص، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیا، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علم وحکمت کی خیرات، اور تمام صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سچی اتباع نصیب فرمائے، اور ہمیں بھی انہیں کے راستے پر استقامت عطا فرمائے جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تم میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو مضبوطی سے تھامے رکھنا۔" آمین یا رب العالمین۔

یکم صفر المظفر ۱۴۴۸ھ / ۱۷ جولائی ۲۰۲۶ء

# *AGAR MAIN NE UNKI*
# RAAH CHHOR DI...

BY
KALIFAE HUZUR TAJUSSHRIYAH MUFTI
**MUHAMMAD RAHAT KHAN QADRI**

ALMAKTABUN-NOOR
Shikarpur Chaudhry, Izzatnagar
Bareilly Shareef, (U.P.) India,
Pin:243122
Mob:+91-9412684116
www.faizanetajushshariya.com